Part-1 

02-04-2018

اشارات

مفتی منیب الرحمٰن

ایک بزرگ کالم نگار نے چکوال کے کسی صاحبِ نظر کی یہ پنجابی نظم نقل کی ہے:

اساں دے گرائیں چ نِکّے نِکّے چِٹّے چِٹّے جِن آگئے نوں ☆ ٹُکر اُوہناں چنگا نہ لگے ☆ بلّیاں کتّے، کھوتے، کالے سَپ کھا گئے نوں ☆ اساں دے گرائیں چ نِکّے نِکّے چِٹّے چِٹّے جِن آگئے نوں ☆ بابا آکھے چوکی دیسن ☆ بے بے آکھے بجلی لاسن ☆ چاچا آکھے کنڑک کپیسن ☆ ڈھا کے چھپری کوٹھا پَیسن ☆ دادا اگوں ہس کے آکھے کوٹھا چاہڑ کے اِتھے ہی رہسن ☆ کھوتے، کتّے، چوہے کھا کے، چھیکڑ بندے کھیسن ☆ اسی سارے گلّے بکساں ☆ جِن مالک بَن ویسن

ترجمہ: ''ہمارے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے، سفید سفید جنات آگئے ہیں ☆ انہیں روٹی بالکل نہیں بھاتی ☆ وہ بلیاں، کتے، گدھے اور کالے سانپ کھاتے ہیں ☆ ہمارے گاؤں میں چھوٹے چھوٹے، سفید سفید جنات آگئے ہیں ☆ ابا کہتے ہیں: یہ ہماری چوکیداری کریں گے ☆ اماں کہتی ہیں: یہ ہمیں بجلی مہیا کریں گے ☆ چچا کہتا ہے: یہ ہماری گندم کاٹیں گے ☆ پھر چھپر گرا کر ہمیں پکا گھر بنادیں گے ☆ آگے سے دادا ہنس کر کہتا ہے: وہ پکا گھر بنا کے یہیں رہیں گے ☆ پھر گدھے، کتے، چوہے کھا کر آخر میں بندوں کو بھی کھا جائیں گے ☆ پھر ہم سارے غلام بن جائیں گے اور جن ہمارے مالک بن جائیں گے''۔ ہم نے جگہ کی قلت کے پیشِ نظر اس پنجابی کلام کو نظم کی طرز پر لکھنے کی بجائے مسلسل لکھا ہے اور نظم کے مصرعوں میں فصل کے لیے بطور علامت ☆ بنایا ہے تاکہ اہلِ زبان نظم سے صحیح طور پر لطف اندوز ہوسکیں۔

عام اصطلاح میں مشرق بعید کے لوگوں کو زرد کھال والے کہا جاتا ہے، یہ بالعموم پست قامت ہوتے ہیں، چکوال کے شاعر نے اپنے ذوق کے مطابق انہیں چھوٹے چھوٹے سفید جنات سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد ہمارے برادر ملک چین کے لوگ ہیں جو آج کل سی پیک کی وجہ سے کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ سی پیک کو ہمارے ہاں اقتصادی ترقی کی روشن علامت کے طور پر دیکھا جارہا ہے، بظاہر اس کا جواز موجود ہے، ہماری دعا ہے کہ یہ منصوبہ ہمارے لیے کامیابیوں کے وسیع امکانات کا وسیلہ ثابت ہو۔ اس منصوبے کے ذریعے چین وسطی ایشیا کے راستے یورپ اور افریقہ تک رسائی چاہتا ہے، اپنی درآمدات اور برآمدات کو گوادر پورٹ سے منسلک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چین نے اس پر مکمل انحصار نہیں کیا، بلکہ ایک متوازی منصوبہ ون بیلٹ ون روڈ بنایا ہے، جو پاکستان کی شمالی سرحد سے تاجکستان کے راستے وسطی ایشیا میں داخل ہوگا، یعنی اگر بالفرض پاکستان میں بے امنی کے ممکنہ خطرات یا افغانستان میں پرامن گزرگاہ دستیاب نہ ہونے کے سبب سی پیک کو وسطِ

ایشیا تک آپریٹ کرنے اور پورے منافع سمیٹنے میں دشواری پیدا ہوئی تو اوبور کا متبادل روٹ موجود رہے گا۔ بظاہر مستقبل قریب میں افغانستان کے پرامن ہونے کے آثار نہیں ہیں، چین اپنے طور پر اس کے لیے کوشاں ہے، اس نے کسی طور پر طالبان سے روابط بھی قائم کر رکھے ہیں۔ امریکہ کی طرف سے الزام لگایا جا رہا ہے کہ اب روس بھی طالبانِ افغانستان کے ساتھ رابطے میں ہے اور وہ انہیں اسلحہ بھی فراہم کر رہا ہے۔ مگر روس کے مقاصد چین سے جزوی مطابقت رکھتے ہیں، کیونکہ روس افغانستان میں امریکہ کی اُسی طرح رسوائی چاہتا ہے، جیسی ماضی میں سوویت یونین کے حصے میں آئی، یہ مقصد وہ افغانستان کی داخلی جنگ کو طول دے کر حاصل کر سکتا ہے، جبکہ چین کا مفاد پُرامن افغانستان میں ہے، جو اُس کا حلیف ہو۔ روس اپنے مقاصد حاصل کر پائے گا یا نہیں، اس کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا مشکل ہے، مگر یہ خواہش فطری ہے۔ روس سوویت یونین کی شکست وریخت کے صدمے سے نکل رہا ہے اور پیوٹن کی قیادت میں دوبارہ سپر پاور بننے اور عالمی تزویری سیاست میں موثر حصہ لینے کے لیے کوشاں ہے، جبکہ چین کی اولین ترجیح عالمی سطح پر ہر آویزش سے بچتے ہوئے اقتصادی سپر پاور بننا ہے، کیونکہ معاشی قوت کے بغیر محض فوجی طاقت کے بل پر دنیا پر اثر انداز ہونا بظاہر مشکل نظر آ رہا ہے، سوویت یونین کا زوال اس کا واضح ثبوت ہے، حالانکہ اُس وقت تک سوویت یونین کے پاس اسلحے کے ذخائر کی کمی نہیں تھی، مگر اقتصادی قوت مضمحل ہو چکی تھی اور وہ کسی بڑی جنگ کا بوجھ اٹھانے کا متحمل نہیں تھا۔

ہمارے ہاں سی پیک کے بارے میں کوئی منفی بات پسندیدہ امر نہیں ہے، اس کا جواز بھی موجود ہے کہ ماضی میں ہمارا انحصار امریکہ پر رہا ہے، تاحال ہم اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہیں، بدستور استعمال ہو رہے ہیں، مگر اب فریقین کے درمیان بے اعتمادی ہے، امریکہ نے اسلحہ اور نقد امداد روک رکھی ہے اور مسلسل دھمکیاں دے رہا ہے۔ پہاڑوں اور غاروں میں رہنے والے طالبان پر تو یہ دھمکیاں اثر انداز نہیں ہوتیں، لیکن ان دھمکیوں کو روبہ عمل لانے کے نتائج کا تصور ہمارے لیے ہوش رُبا ہے۔ امریکہ اب یقیناً دوست نہیں رہا، لیکن اس کی دشمنی کو سہارنا بھی ہمارے لیے آسان نہیں ہے۔ چنانچہ 16 جنوری کو ایوانِ صدر میں، میں نے صدر پاکستان، وفاقی وزراء، مقتدرہ کے ذمے داران، علمائے کرام واہلِ فکر ونظر کی موجودگی میں کہا تھا: ہو سکے تو سابق امریکی وزیر خارجہ ڈاکٹر ہنری کسنجر کا یہ قول لکھ کر اپنی میز پر رکھ دیں: ''اگر تم امریکہ کے دشمن ہو تو محتاط رہو اور اگر تم امریکہ کے دوست ہو تو بہت زیادہ محتاط رہو''۔ سو آج کی بری خبر یہ ہے کہ ہم امریکہ کے قریبی دوست، اتحادی اور عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اُس کے شریکِ کار ہیں، لہٰذا ہمیں نہایت محتاط رہنا ہوگا اور دوستی کی قیمت چکانا ہوگی۔ ہاں! جس دن امریکہ اپنی سرپرستی سے ہمیں آزاد کر دے گا، اپنا دستِ شفقت ہمارے سر سے اٹھا لے گا، تو وہی صحیح معنی میں ہماری صبحِ آزادی ہوگی، لیکن اس کے لیے ہمیں اپنے وسائل پر جینا سیکھنا ہوگا، عشرتوں کو خیر باد کہنا ہوگا، عزیمت کو اختیار کرنا ہوگا، وقتی طور پر مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا، میرا ایمان ہے کہ اس کے بطن سے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے خیر برآمد فرمائے گا۔ لیکن لمحۂ موجود میں بظاہر ایسے کوئی آثار نہیں ہیں کہ ہم مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں، اس لیے ہم امریکہ کو بار بار اپنی وفاداری کا یقین دلانے پر مجبور ہیں۔

یہ امر مسلّم ہے کہ چین ہمارا دوست ہے، مشکل وقت میں ہمارے کام آتا رہا ہے۔ پہلے ہمارے دفاعی اسلحے کا انحصار امریکہ پر تھا، لیکن اب امریکہ نے ہاتھ کھینچ لیا ہے، لہٰذا اب ہم چین پر انحصار کر رہے ہیں، روس سے رابطہ کر رہے ہیں اور متبادل ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہیں، اگرچہ کوالٹی کے اعتبار سے امریکی اسلحے کو اب بھی برتری حاصل ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ملکوں کی دوستی اور دشمنی اپنے قومی مفادات

 

کے تابع ہوتی ہے، ترجیحات کے بدلنے پر بعض اوقات دشمن دوست بن جاتے ہیں اور بے رخی اختیار کرنے میں ماضی کے دوست بھی دیر نہیں لگاتے۔ ویت نام کے خلاف امریکی جنگ کے دوران چین شمالی ویت نام کا حلیف تھا، لیکن بعد میں جب امریکہ ویت نام میں ناکام ہو کر رخصت ہوا اور ویت نام ہوچی من کی قیادت میں متحد ہوگیا تو ایک مرحلے پر چین اور ویت نام کے درمیان اختلافات اس حد تک بڑھے کہ چین کو ویتنام پر حملہ کرنا پڑا۔ چین نے اس جنگ کو طول دینے سے گریز کیا اور اپنے دعوے کے مطابق سبق سکھا کر اپنی فوجوں کو واپس بلالیا۔

8اپریل 2017ء کو ''پاکستان کے بین الاقوامی معاہدات'' کے عنوان سے میں نے ایک کالم لکھا تھا کہ ہم معاہدہ کرتے وقت انتہائی عُجلت میں ہوتے ہیں، اس کے متن اور بین السطور پر باریک بینی سے غور نہیں کرتے، قانونِ بین الاقوام کے ماہرین سے رہنمائی نہیں لیتے اور بعد میں یہ معاہدے ہمارے گلے کی زنجیر اور پاؤں کی بیڑیاں بن جاتے ہیں۔ حال ہی میں آسٹریلین کمپنی ٹیتھان کے ساتھ رکوڈک اور ترکی کی کمپنی کے ساتھ رینٹل پاور معاہدے کی یک طرفہ تنسیخ پر عالمی ثالثی کونسل نے پاکستان پر بھاری جرمانہ عائد کیا ہے، یہ ہمارے سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی عدالتی فعالیت کے آفٹر شاکس ہیں، اس سے ہمارے اُس دور کے قابلِ احترام چیف جسٹس کی آئینی اور قانونی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سو قومی مفاد کا تقاضا ہے کہ چین کے ساتھ معاہدات کو بھی پبلک کیا جائے اور قانونِ بین الاقوام کی رُو سے اگر کوئی سُقم ہے اور ہم پر کوئی ایسی یک طرفہ بندش ہے تو ابھی وقت ہے کہ چین کی مدد سے اُسے درست کیا جائے تاکہ مستقبل میں پاکستان پر کوئی آفت نہ ٹوٹے۔ اس وقت چین کے قومی اور عالمی مفادات نے پاکستان کو چین کے لیے ایک ضرورت بنادیا ہے، کیونکہ امریکہ اور یورپ چین کے گرد گھیرا تنگ کرنے کے لیے بھارت کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور چین کی مخالفت کے سبب ہی آج بھارت امریکہ اور مغرب کا منظورِ نظر ہے۔

پس پنجابی نظم میں بھی ایک پیغام مستور ہے کہ چین کے ساتھ جو معاہدات ہورہے ہیں، ان کے مابعد اثرات کا جائزہ لینا چاہیے، دوستی یقیناً مقدم ہے، اہم ہے، ہماری ضرورت، بلکہ ایک حد تک مجبوری ہے، لیکن طویل اور دیرپا قومی مفادات سب پر مقدم ہیں۔ دوستی کی آڑ میں کسی ملک یا قوم کے باشندوں کو قانون سے ماورا سہولتیں دینے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ حال ہی میں چینی باشندوں نے ڈی کوڈ کر کے یا کسی جدید تکنیک کے ذریعے کراچی میں بنکوں کی اے ٹی ایم مشینوں سے بڑی رقوم نکالی ہیں۔ جس طرح شخصی معاملات میں ضرورت، حاجت، آسائش اور تعیُّش کے درجات ہوتے ہیں، پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی حیثیتیں بدلتی رہتی ہیں کہ ایک وقت میں ایک چیز انسان کے لیے تعیُّش ہے، لیکن حالات بہتر ہونے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہی چیز ضرورت بن جاتی ہے، یہی حال اقوام کے تعلقات کا ہے۔ کل ہم جہادِ افغانستان میں امریکہ کی ضرورت تھے، انتہائی قابلِ اعتماد دوست تھے، مگر آج ہماری حیثیت وہ نہیں رہی، سو چین سے معاملات طے کرنے میں بھی ہمیں اپنے دیرپا مفاد کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ کسی دوست ملک سے یہ توقع بھی عبث ہے کہ وہ اپنے ہر نفع نقصان سے ماورا ہو کر عالمی میدان میں ہمارے ساتھ کھڑا ہوگا، اس کی واضح مثال برکس میں چین کا ہمارے خلاف ووٹ، پھر فائنینشل ایکشن ٹاسک فورس میں چین اور سعودی عرب کا ہمارے خلاف ووٹ دینا ہے، حالانکہ ہمارے فوجی افسران اور جوان سعودی عرب کے دفاع کے لیے آج بھی اُن کی سرزمین پر موجود ہیں۔

(روزنامہ دنیا، 02اپریل 2018ء)